محمد جعفر شاہ پھلواروی

کیا بعثتِ نبوی ربیع الاوّل میں ہوئی تھی؟

نزولِ قرآن کے متعلق خود قرآن میں کئی آیات ایسی موجود ہیں جن میں وقتِ نزول کی تعیین کی گئی ہے۔ مثلاً ایک آیت یہ ہے کہ

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

یہ ماہِ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا

اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے میں قرآن کا نزول ہوا لیکن کیا مہینہ بھر تک مسلسل قرآن نازل ہوتا رہا؛ اس کی وضاحت دوسری آیت میں یوں کی گئی ہے کہ:-

انّا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر

ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزولِ قرآن سارے ماہِ رمضان میں نہیں ہوتا رہا بلکہ اس کی ایک خاص رات میں ہوا۔ یہ قابلِ قدر رات نہایت ہی بابرکت تھی اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ:-

انّا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ

ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا۔

چار سوالات اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک خاص رات میں قرآن نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یعنی:-

١- کیا پورا قرآن یکبارگی نازل ہوا؟
٢- یا صرف آغازِ نزول ہوا؟
٣- یا اکثر حصّہ نازل ہوا؟
٤- یا کچھ حصّے کا نزول ہوا؟

اگر پہلی صورت ہے یعنی شبِ قدر میں صرف کچھ حصّۂ قرآن نازل ہوا تو داستانِ تنزیل اتنے اہتمام سے بیان کرنے کی خاص ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ یہ شرف دوسرے مہینوں اور دوسری راتوں کو بھی حاصل ہے۔

اگر تیسری شکل ہے یعنی بیشتر حصّۂ قرآن اسی شب میں نازل ہوا تو یہ محتاجِ دلیل ہے اور یوں بھی یہ بات قابلِ تامل ہوجاتی

ہے کہ ایک رات میں قرآن کا اتنا بڑا حصہ نازل ہو گیا جو تیئس سال کی مجموعی مقدارِ نزول سے زیادہ ہو۔

اگر دوسری صورت ہو یعنی لیلۃ القدر میں صرف آغازِ نزول ہوا ہو تو وہ دن بھی اتنا ہی اہم ہے جس میں نزولِ قرآن کا انجام و اختتام ہوا ہو لیکن ایسا اشارہ کرنے والی کوئی دوسری آیت نہیں جس میں اختتامِ نزولِ قرآن کو بھی اسی اہتمام سے بیان کیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اس مفہوم کے لئے انا انزلنا کی بجائے انا بدأنا تنزیل القرآن یا ایسا کوئی لفظ زیادہ موزوں تھا جس سے اس رات میں نزولِ قرآن کا صرف آغاز ہونا معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ انزلنا یا انزل کا یہ مفہوم نہیں۔

اب جو شکل رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سارا قرآن یکبارگی اس رات میں نازل ہو گیا ہو۔ لیکن اس صورت میں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پورا قرآن ایک بار ہی نازل کر دیا گیا تھا تو نبوت کی بیست و سہ سالہ زندگی میں مسلسل قرآن نازل ہوتے رہنے کا کیا مطلب ہو گا۔ اس کا جواب مفسرین یہ دیتے ہیں کہ لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر قرآن دفعۃً ہی نازل ہو گیا اور وہاں سے یعنی آسمان دنیا سے حضورؐ پر تھوڑا تھوڑا تیئس سال تک نازل ہوتا رہا۔

ہماری رائے میں اگر یوں کہا جائے تو زیادہ صحیح ہو گا کہ سمائے دنیا وغیرہ پر نہیں بلکہ قلبِ نبویؐ پر پورا قرآن اسی موجودہ ترتیب سے یکبارگی اس مبارک شب میں اتار کر محفوظ کر دیا گیا اور اس کے مختلف اجزا کا اظہار حسبِ ضرورت بحکمِ الٰہی تیئس سال تک ہوتا رہا۔ اس کی ایک ناقص مثال ہم یوں دے سکتے ہیں کہ جیسے ایک جج کو پوری کتابِ آئین (یا تعزیراتِ ہند) دے دی جائے کہ تم اس کے مطابق فیصلے کرو۔ اس کی دفعات تو بالترتیب اور نمبروار ہی ہوں گی لیکن جو مقدمات آئیں گے وہ اسی ترتیب سے نہیں آئیں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے دفعہ (۱) کا مقدمہ آئے پھر دفعہ (۲) کا آئے۔ معاملات کی دنیا میں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ ہو گا یوں کہ کبھی دھوکے فریب کا مقدمہ آیا تو دفعہ ۴۲۰ کا صفحہ کھولا جانے لگا۔ اس کے بعد دفعہ ۴۲۱ کا آنا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد اقدامِ قتل کا مقدمہ آئے اور اب دفعہ ۳۰۷ کا صفحہ کھولا جائے۔ حضورؐ کے سامنے کبھی جنگ کا معاملہ آیا کبھی طلاق کا مسئلہ درپیش ہوا کبھی خاص خاص سوالات کیے گئے۔ غرض جب معاملہ سامنے آیا تو اسی کے مطابق بحکمِ الٰہی قرآن کا کوئی حکم جو پہلے سے قلبِ نبوی میں محفوظ ہے پڑھ کر سنا دیا گیا۔ یہ تھی ترتیبِ نزول جو یقیناً ترتیبِ تلاوت سے مختلف تھی اور مختلف ہی ہو سکتی تھی۔ ترتیبِ تلاوت ہر وقت حضورؐ کے سینے میں محفوظ تھی اور اسکے مطابق حضورؐ آیات و سور کو لکھوا بھی دیا کرتے تھے۔

ایک خاص آیتِ قرآنی یہاں ایک خاص آیت سے بھی اسی کا اشارہ ملتا ہے کہ :-

وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ ج

کذلک ج لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا ہ

کفار کہتے ہیں کہ سارا قرآن اس پیغمبر پر دفعۃً ہی کیوں نہ نازل ہو گیا؟ ایسا ہی تو ہوا ہے۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے تمہارے دل میں ثبات پیدا کر دیں اور ہم نے اسے ترتیل کے ساتھ نازل کیا۔

اس آیت میں لفظ "کذ الک" قرآء کی تصریح کے مطابق مقام معانقہ میں واقعہ ہے یعنی آ سے پہلے لفظ یعنی واحدۃ سے ملا کر پڑھیئے یا اگلے لفظ "لنثبت" سے ملا کر عام مترجمین اس کا جو ترجمہ کرتے ہیں کا مفہوم یہ ہے کہ کفار اعتراض کرتے ہیں کہ اس رسول پر یکبارگی ہی قرآن کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ ایسا اس لئے ہوا یعنی یکبارگی اس لئے نہ نازل کیا گیا کہ اس کے ذریعے سے تمہارے دل کو مضبوط کر دیں اور ہم نے اسے صاف صاف پڑھ کر سنا دیا۔"

ہمارے نزدیک کذالک جواب ہے کفار کے اعتراض کا۔ اور اس کے ساتھ قرآن کی دو حیثیتیں بیان کر دی گئی ہیں ایک اس کا دفعتہً (قلب نبوی پر) نازل ہونا اور دوسرے اس کا رفتہ رفتہ اظہار ہونا۔ کذالک کا مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ پوچھتے ہو کہ قرآن دفعتہً کیوں نازل ہوا؟ تو یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ ایسا ہی ہوا ہے یعنی تنزیل قرآن دفعتہً ہی تو ہوتی ہے۔ البتہ اظہار ترتیل کے ساتھ ہوا ہے۔ ترتیل کے معنی صرف صاف صاف ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ہی نہیں بلکہ ٹھہر ٹھہر کر حسب ضرورت نازل ہونا بھی ترتیل ہی کا جز ہے۔

ایک اہم سوال اب یہ سوال ہے کہ تثبیت قلب (لنثبت بہ فؤادک) کا تعلق کس سے ہے؟ دفعتہً نازل ہونے سے یا ترتیل (تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونے) سے؟ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دل کا جماؤ تھوڑا تھوڑا نازل ہونے میں ہے اور دفعتہً نازل ہونے میں گھبراہٹ کا اندیشہ ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں امت کے لئے ہیں۔ جہاں تک حضور کی تثبیت قلب کا تعلق ہے وہ سارا قرآن دفعتہً نازل ہونے کے بعد ہی ممکن تھی۔ گھبراہٹ اسے ہو سکتی ہے جس کے سامنے حقیقت کے صرف ایک دو پہلو ہوں اور جس کے سامنے کل حقیقت بے نقاب ہو جائے (اور یہ سارا قرآن نازل ہونے ہی سے ممکن تھا) اسی کا قلب ایک ابدی اور لازوال تثبیت کا حامل ہو سکتا تھا۔ حضور کی تثبیت قلب پورے قرآن ہی کے نزول پر منحصر تھی اور امت کی تثبیت قلب کے لئے تھوڑا تھوڑا ظاہر ہونا ہی ضروری تھا۔

غارِ حرا غارِ حرا میں جو واقعات نزول پہلی بار ہوئے ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن یکبارگی ہی حضور کے قلب اطہر میں اتار دیا گیا۔ اگر صرف پانچ آیتوں ہی کا نزول ہوتا تو نہ جبریل کو بار بار پر زور معانقہ کرنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ حضور کی گھبراہٹ کا یہ عالم ہوتا کہ دل کانپ رہا ہے۔ زندگی سے مایوس ہو رہے ہیں اور جناب خدیجہؓ سے کپڑا اڑھانے کی فرمائش کر رہے ہیں بلاشبہ پہلی بار ایک غیر متوقع واقعے کا اثر بھی اس کیفیت میں دخیل تھا۔ لیکن تنہا آغاز وحی اور پانچ آیتوں کے نزول کا اتنا زیادہ اثر نہ ہو سکتا تھا۔ جس قرآن کے متعلق یہ ارشاد ہو کہ:۔

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا
من خشیۃ اللہ ۔ ۔ ۔ ۔

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اسے خوف الٰہی سے جھکا ہوا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہوا دیکھتے۔

وہ قرآن قلبِ انسانی پر نازل ہوتا تو اس کی کیفیت یہی ہونی چاہئیے تھی جو حضور کی ہوتی جس قرآن کے تھوڑے حصے کے صرف اظہار کے وقت حضور کے پسینے چھوٹنے لگتے ہوں (لیتفصد عرقا) اور شدید کرب محسوس ہونے لگتا ہو (البرحاء) اس کے پورے حصے کے نزول کے وقت حضور کی جو کیفیت ہوتی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔ صرف پانچ آیتوں کے لئے نہ جبریل کو اتنا زور لگانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور نہ حضور کو اس کی قرأت میں کوئی دقت ہو سکتی تھی اقرأ باسم ربک الذی خلق سے ما لم یعلم تک عرب کا ایک بچہ بھی سن کر دہرا سکتا تھا۔ دراصل پورے قرآن اور اس کے دیئے ہوئے نظام معاشری کا تصور ہی اتنا بڑا بوجھ تھا جو ایک بشر کی کمر توڑنے کے لئے کافی تھا (الذی انقض ظھرک) اور اسی کی دہشت تھی جس نے حضور کی یہ کیفیت کر رکھی تھی۔ لیکن اسی پورے قرآن نے حضور کے اندر ثباتِ قلب بھی پیدا کر دیا تھا۔ ایک کلی حقیقت کے بے نقاب کرنے کے بعد خود بخود وہ دہشت ثباتِ قلب سے بدل گئی۔ پہلے پہل ایک عظیم الشان کام کے بوجھ کے تصور سے لرز اٹھنا ایک قدرتی اور فطری تقاضا تھا۔ لیکن آپ کے ساتھ ساتھ نبوت کے منصب اور تائید غیبی نے مل کر ثباتِ قلب بھی پیدا کر دیا غارِ حرا کے بعد پھر کبھی حضور پر ایسی کیفیت نہ گزری۔ ہاں ہر تھوڑے حصے کے اظہار کے وقت بھی حضور کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی۔ یہ فرق اسی لئے ہے کہ پہلے پورے قرآن کا نزول ہوا تھا اور بعد میں اس کے کچھ کچھ حصوں کا حسبِ ضرورت اظہار ہوتا رہا۔

روایاتِ مختلفہ۔ قرآن کس مہینے میں نازل ہوا؟ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ یہ ربیع الاول میں ہوا۔ لیکن عبید بن عمیر اور محمد بن اسحاق وغیرہ ماہ رمضان بتاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۶ میں لکھتے ہیں :-

> والمشهور انه بعث عليه الصلوة والسلام في شهر رمضان كما نص على ذلك عبيد بن عمير ومحمد بن اسحاق وغيرهما۔ قال ابن اسحاق مستدلاً على ذلك بما قال الله تعالى (شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن هدى للناس) ... وروى الواقدي بسنده عن ابي جعفر الباقر انه قال: كان ابتداء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين لسبع عشرة ليلة خلت من رمضان، وقيل في الرابع والعشرين منه۔ قال الامام احمد: حدثنا ابو سعيد مولى بني هاشم حدثنا عمران ابو العوام عن قتادة عن ابي المليح عن واثلة بن الاسقع ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: انزلت صحف ابراهيم في اول ليلة من رمضان وانزلت التوراة لست مضين من رمضان والانجيل لثلاث عشرة ليلة خلت من رمضان وانزل القرآن لاربع وعشرين خلت من رمضان۔ وروى ابن مردويه في تفسيره عن جابر بن عبدالله مرفوعاً نحوه . . . .

اس پوری عبارت کا خلاصہ یوں ہے۔

۱۔ عبید بن عمیر اور محمد بن اسحاق ماہ رمضان میں نزول قرآن کے قائل ہیں۔

۲۔ ابن اسحاق شھر رمضان الذی الخ والی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

۳۔ امام باقرؒ سترھویں شب رمضان کو ابتدائے وحی کا مہینہ بتاتے ہیں۔

۴۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نزول قرآن کی تاریخ چوبیسویں شب ہے۔

۵۔ امام احمد بن حنبل اپنی (مذکورہ بالا سند سے) حضور کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ صحف ابراہیم یکم رمضان کو، تورات چھٹی رمضان کو، انجیل تیرھویں رمضان کو اور قرآن چوبیسویں رمضان کو نازل ہوا۔

(۶) ابن مردویہ اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ سے یہی حدیث بیان کرتے ہیں۔

(ایک روایت جابر کی اوپر سے گذر چکی ہے جس میں ربیع الاول کا ذکر ہے اور یہ روایت اسی کی تردید کرتی ہے)

نتیجہ ان تمام روایات میں نزول قرآن کی تاریخوں میں فرق ہو تو ہو لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ یہ مہینہ رمضان ہی کا تھا قرآن کی آیت شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کی ان سب روایات سے تائید ہوتی ہے۔ اگر یہ تائیدی روایات نہ بھی ہوتیں تو قرآنی آیت پر ابن عباس اور جابر کی روایتوں کو ترجیح حاصل نہ ہو سکتی تھی چہ جائیکہ وہ روایات بھی موجود ہیں جن سے رمضان ہی کا مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اگر انزل فیہ القرآن کے معنی آغاز وحی کے لئے جائیں جب بھی یہ مہینہ رمضان ہی کا تھا نہ کہ ربیع الاول کا۔

آیت کی ایک اور تفسیر شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کی ایک اور تفسیر مجاہد سے یوں منقول ہے (دیکھئے تفسیر کبیر رازی) کہ اس آیت میں "فیہ" کے معنی ہیں "اس کے بارے میں" اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اوپر کی آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

> اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے اسی طرح جس طرح تم سے پہلے امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ امید ہے کہ تم متقی ہو جاؤ گے۔ یہ گنتی کے چند دن ہیں۔ پھر تم میں سے جو مریض یا مسافر ہوں تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کریں۔ اور جو لوگ بہ مشقت روزے کا تحمل کر سکتے ہوں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیں اور جو تطوع خیر کرے وہ اس کے لئے بہتر ہی ہے اور اگر تم روزہ ہی رکھو تو یہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھو۔

یہ آیات کا ترجمہ ہے، اس میں روزے کے ضروری احکام تو ہیں لیکن یہاں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ روزے کس زمانے میں کس مہینے میں اور کب رکھے جائیں۔ اگلی آیت (شھر رمضان الخ) میں یہی بتایا گیا ہے کہ یہ قرآنی احکام جس مہینے کے روزوں کے بارے میں نازل ہوئے ہیں وہ رمضان کا مہینہ ہے۔ گویا آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ:۔

یہ ماہِ رمضان ہے جس کے بارے میں یہ قرآن نازل ہوا ہے۔

یہاں "قرآن" سے مراد پورا قرآن نہیں بلکہ صرف اتنا حصۂ قرآنی ہے جس کا ترجمہ اوپر گزرا یعنی . . . . یاایھا الذین امنو کتب علیکم الصیام سے . . . . ان کنتم تعلمون تک۔ قرآن کے تھوڑے حصے پر بھی "قرآن" کا اطلاق ہوتا ہے۔ حکم ہے کہ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ الخ۔ جب قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ الخ کہہ لو۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ جب پورا قرآن پڑھو جب ہی استعاذہ کرو۔ ایک دو آیت پڑھنے کو بھی تلاوتِ قرآن ہی کہتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ میں نے قرآن پڑھا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پورا ہی قرآن پڑھ لیا ہے پس انزل فیہ القرآن کا مطلب یہ ہوگا کہ جس کے بارے میں اوپر کی آیاتِ صوم نازل ہوتی ہیں وہ رمضان کا مہینہ ہے۔

اگر مجاہد کی یہ تفسیر مانی جائے تو جس لیلۃ القدر میں پورا قرآن قلبِ نبوی پر نازل ہوا اس کا رمضان میں ہونا ضروری نہیں رہتا۔ وہ ربیع الاول یا دوسرا کوئی مہینہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عربی زبان میں "فی" کا لفظ "بارے میں" کے معنی میں بہت آتا ہے اور خود قرآن میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا وغیرہ ــــ یہ تفسیر مان لینے کے بعد ماہ ربیع الاول میں قرآن نازل ہونے (یا ابتدائے وحی ہونے) کی تاریخی روایت بھی صحیح ہو سکتی ہے اور پھر ربیع الاول کے مہینے کی وہی رات لیلۃ القدر ہوگی جس میں قرآن نازل ہوا۔

ہمارے نزدیک پہلی ہی تفسیر درست ہے کہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور یہ اسی مہینے میں ہے جسے رمضان کہتے ہیں اور نزول صرف پانچ آیات کا نزول نہ تھا بلکہ پورے قرآن کا نزول تھا اور وہ اسی ترتیبِ تلاوت سے تھا جس ترتیب سے آج تک موجود ہے۔ البتہ مختلف آیات کا نزولِ ثانی اپنے اپنے موقعے سے حسبِ ضرورت ہوتا رہا جسے ترتیبِ نزول کہتے ہیں۔ ان دونوں ترتیبوں میں قطعاً کوئی تناقض نہیں۔ سنا ہے کہ دہلی میں کسی صاحب کے پاس ترتیبِ نزول کے مطابق قرآن لکھا ہوا موجود ہے اور اسے حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی یادداشت کے لئے یا اور کسی مقصد کے لئے کسی مخصوص ترتیب سے قرآن جمع کرلے تو وہ اس کا اپنا فعل ہے۔ جو جائز بھی ہو سکتا ہے۔ ہم بچوں کی آسانی کے لئے پارۂ عم کو الٹا لکھتے ہیں۔ پہلے سورۂ ناس ہوتا ہے اور آخر میں سورہ نبا لیکن اسے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہی ترتیب صحیح ہے۔ یہ محض ایک وقتی مصلحت ہے سہولتِ قرأت کے لئے۔ لیکن اصل قرآنی ترتیب وہی ہے جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری ترتیب کو اصل ترتیب کہنا سراسر غلط ہے۔

ایک شبہے کا ازالہ۔ یہ مان لینے کے بعد کہ پورا قرآن ایک بار حضورؐ کے سینے میں اتار کر محفوظ کر دیا گیا، ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی جو تفصیلات یا اشارات قرآن مجید کے اندر موجود ہیں ان سب کا علم حضورؐ کو پہلے ہی سے ہو گیا ہوگا۔ مثلاً غزوۂ بدر کے موقعے پر مسلمان کمزور تھے اور خدا نے ان کی مدد فرمائی۔ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کثرتِ تعداد کا عجب پیدا ہو گیا اس لئے انہیں ایک جھٹکا دے دیا گیا۔ غزوۂ احزاب میں

لوگوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے اور سوئے ظن پیدا ہونے لگا، پھر خدا نے دشمنوں پر فتح دی - ایک عورت جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی ہے وہ بات ٹھیک کہتی ہے - ہجرت کے وقت رسول غار کے اندر دو میں کا ایک تھا - خود آپ سے فلاں فلاں لغزش ہو گئی، اور اللہ نے اس کی یہ تلافی کرادی - اور آج تمہارا دین مکمل ہو گیا وغیرہ وغیرہ - یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو بعثت کے بعد پیش آنے والی تھیں - پھر یہ عجیب بات ہو گی کہ حضور کو یہ ساری باتیں پہلے ہی بتا دی گئی ہوں اور ایک میکانیکل یہ دستیر یا مشینی طرز کارکردگی کے اصول پر حضور کو چلایا گیا ہو۔

یہ شبہہ ضرور پیدا ہوگا لیکن قلب نبوی میں قرآن محفوظ ہو جانے کی صحیح نوعیت متعین کر لی جائے تو یہ شبہ باقی نہیں رہے گا۔ یہ باتیں غیب الغیب اور وراءالوراء سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کی صحیح حقیقت کا علم اللہ اور اس کا رسول ہی کو ہو سکتا ہے - ان غیوب کی کیفیات کو ہم بہر حال ایسی ہی مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں جو ہماری ناقص عقلوں میں آسکیں اور وہ مثالیں بھی بہر کیف ناقص اور لنگڑی ہی ہوں گی -

سینۂ نبوی میں قرآن کے محفوظ ہو جانے کی کیفیت و نوعیت کو ہم دو مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں - فرض کیجئے ایک شخص کو آپ ایک ایسا صندوقچہ حوالے کرتے ہیں جس میں پونڈ، روپیہ، اٹھنی، چونی، دونی، اکنی، پیسے اور پائی وغیرہ کے مختلف خانے بنے ہوتے ہیں اور مختلف قیمت کے نوٹوں کے خانے بھی الگ الگ بنے ہوتے ہیں - یہ صندوقچہ اس کی چابی کے ساتھ آپ کسی کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ اسے پوری طرح محفوظ کر لیتا ہے - پھر جب آپ کسی کو کچھ رقم دلانا چاہتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ صندوقچہ کھول کر فلاں فلاں خانے میں سے اتنے نوٹ اور فلاں خانے میں سے اتنے سکے نکال کر دے دو - صندوقچے کا محافظ اسے اپنے پاس محفوظ تو رکھے ہوتے ہے لیکن اس کے خانوں کا تفصیلی علم اسے اس طرح نہیں جس طرح اس کے مالک کو ہے - بس اسی طرح سمجھئے کہ پورا قرآن حضور کے سینے میں بالکل محفوظ کر دیا گیا لیکن ان کی تفصیلات یا انطباق یعنی (APPLICATION) کے لئے صاحب کلام کے اشاروں کی ضرورت تھی۔

یہ مادی قسم کی مثال ہے - ذہنی مثال یہ ہے کہ آپ نے سینکڑوں لطیفے سنے ہوں گے - بیسیوں اشعار یاد ہوں گے، بے شمار مسائل ازبر ہوں گے - وہ سب آپ کے ذہن یا حافظے کے کسی گوشے میں بالکل محفوظ ہیں لیکن اگر آپ سے کوئی فرمائش کر دے تو آپ وہ تمام لطیفے، اشعار یا مسائل بالترتیب کل کا کل ہرگز نہ سنا سکیں گے - لیکن اگر موقع مناسب پیش آجاتے تو نہاں خانۂ حافظہ کی کوئی کھڑکی کھل جائے گی اور عین موقعے کا لطیفہ یا شعر یا مسئلہ یاد آجائے گا اور بے ساختہ آپ کی زبان پر جاری ہو جائے گا - عام حالات میں وہ کبھی یاد نہ آئیں گے لیکن کسی خاص مناسب موقع پر از خود ابل پڑتے ہیں - محفوظ سب کچھ ہے لیکن اظہار موقعے موقعے ہی سے ہوتا ہے - بس کچھ ایسی ہی صورت وہاں بھی تھی کہ سارا قرآن ایک ہی بار حضور کے سینے میں اتار کر محفوظ کر دیا گیا، لیکن وہ اجمالاً ہی محفوظ تھا اور جب اظہار کا صحیح موقع آیا تو جبریلی قوت حافظے میں متحرک ہو کر اسے زبان پر لے آئی - اصل کیفیت تو خدا ہی جانتا ہے یا اس کا رسول - ہم آپ تو محض سمجھنے کے لئے کچھ مثالیں تلاش کر لیتے ہیں سرسری اور اجمالی یادداشت

اور وقعے کی یاد میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سینکڑوں بار یہ آیت پڑھی ہوگی کہ

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل، افائن مات
او قتل انقلبتم علی اعقابکم ....

محمد تو بس اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول آئے اور گزر گئے۔ تو کیا اگر
یہ رسول بھی وفات پا جائے یا شہید کر دیا جائے تو تم ارتداد اختیار کر لوگے؟ ....

یہ آیت بارہا حضرت عمرؓ نے پڑھی ہوگی لیکن حضور کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمرؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے آج سے پہلے ہیں نے یہ آیت نہ سنی تھی نہ پڑھی تھی نہ سمجھی تھی۔

آپ سے اگر کوئی پوچھے کہ آپ کے کتب خانے میں کون کون سی کتابیں ہیں تو آپ ہرگز نہ بتا سکیں گے لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ فلاں فلاں کتاب آپ کے پاس ہے؟ تو آپ کو فوراً یاد آ جائے گا کہ ہے یا نہیں ہے۔ حافظے کے اس اجمالی اور تفصیلی فرق کو پیش نظر رکھنے کے بعد مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

اسلام کی بنیادی حقیقتیں

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب

قیمت دو روپے آٹھ آنے

ریاض السنہ

مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

قیمت :- آٹھ روپے

دین فطرت

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی صاحب

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

اسلام اور رواداری

مصنفہ مولانا رئیس احمد جعفری

قیمت :- چھ روپے

مسئلہ اجتہاد

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی

قیمت دو روپے آٹھ آنے

تہذیب و تمدن اسلامی

مصنفہ مولانا رشید اختر ندوی

قیمت حصہ اول عمر - دوم ۸ہ/ - سوم ۱۲ -

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ - ۲ کلب روڈ - لاہور